پیار کی پہلی بارش

افتخار شوکت

پیار کی پہلی بارش

افتخار شوکت



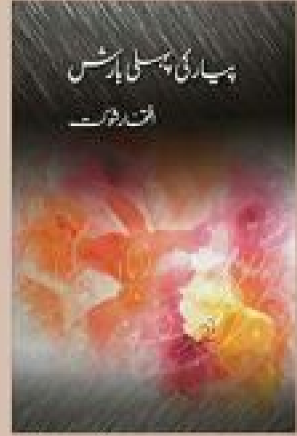
سیدھے سادوں کو بھی ہوشیار بنا دیتے ہیں
دھوکے دنیا کے سمجھ دار بنا دیتے ہیں

بہت مانوس ہوتے ہیں در و دیوار انساں سے
مکیں جب چھوڑ جائیں تو مکاں خاموش رہتے ہیں

کن جہانوں سے گذر رکھا گیا
عمر بھر محوِ سفر رکھا گیا



نستعلیق
Publications
غزنی سٹریٹ ۰ اردو بازار ۰ لاہور
0300-4469310 - 0321-6012211
nastalique786@gmail.com



پاکستانی معاشرے اور کلچر کی جو خوبیاں مجھے پسند ہیں ان میں یہاں کی شاعرانہ ادبی فضا بھی ہے۔ ہر شخص ایک خاص شاعرانہ مزاج رکھتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اگر ان کا مزاج پوچھا جائے تو اس میں سے بیشتر شاعر نکل آتے ہیں۔ اس بھیڑ میں اچھے شعراء کی بھی کمی نہیں۔ مجھے آئے روز جو شعری مجموعے ڈاک میں ملتے ہیں ان میں سے زیادہ تر مجموعوں کی شاعری منفرد تو نہیں البتہ اچھی ضرور ہوتی ہے۔ "پیار کی پہلی بارش" کی شاعری مجھے منفرد بھی لگی ہے اور اچھی بھی۔ اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ طویل ریاضت کے بعد منظر عام پر آئی ہے۔ افتخار شوکت نے عام نوجوانوں کے برعکس پہلے مجموعے کی اشاعت میں تاخیر کر کے ایک اچھی روایت قائم کی ہے۔ اس مجموعے کی شاعری سادگی اور شگفتگی کا مرقع ہے۔ آسان زبان میں زندگی کے مختلف موضوعات کو نہایت سلیقے اور ہنر مندی سے اشعار کا روپ عطا کیا ہے۔ ہر غزل میں شاعر کا اندر بکھرا ہوا ہے۔ تغزل جو کہ اردو شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ اس میں موجود ہے۔ افتخار کی شاعری میں یکسانیت نہیں ہے وہ اپنے آپ کو دہراتا نہیں ہے۔ اس کی غزل میں کئی رنگ ہیں اور ان رنگوں کے کئی شیڈز ہیں۔ افتخار شوکت کی شاعری مجھے پسند آئی ہے۔ میں اسے "پیار کی پہلی بارش" کی اشاعت پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اس کا یہ شعری سفر اسی خوب صورتی کے ساتھ جاری رہے۔۔۔۔ آمین

عطاء الحق قاسمی

چیئرمین پاکستان ٹیلی ویژن

افتخار شوکت صاحب جدید غزل کے اہم شاعر ہیں۔ سادہ اور رواں بحروں میں خوب شعر نکالتے ہیں۔ سہل ممتنع میں ان کی جولانیِ طبع کھل کر سامنے آتی ہے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ غالب نے بھی اپنی شعر گوئی کے دورِ عروج میں یہ راہ اختیار کی تھی۔ محبت ان کا موضوعِ خاص ہے۔ مجھے عشق کی نسبت محبت کا لفظ زیادہ پیارا لگتا ہے۔ محبت مدینہ ہے اور عشق کعبہ۔ محبت میں جمال ہے تو عشق میں جلال۔ افتخار شوکت نے محبت کی رمزیں پالی ہیں اور نفرتوں کو دریا میں بہا دیا ہے۔ افتخار کی شاعری گاؤں کی لڑکی کی طرح ہے۔ کسی کسائی، الھڑ، تصنع سے بے نیاز، قدرت سے ہم آہنگ۔ میں اس کی شاعری پڑھتا ہوں تو استاد اللہ بخش کی بنائی ہوئی پینٹنگز میری آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتی ہیں۔

خالد شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیار کی پہلی بارش

افتخار شوکت



پیار کی پہلی بارش

افتخار شوکت

نستعلیق مطبوعات
فیروز سنٹر، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
nastalique786@gmail.com
0300-4489310 / 0331-4489310

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ O
القرآن

نام کتاب	پیار کی پہلی بارش
شاعر	افتخار شوکت
سرورق	احسن گل گرافکس
باراوّل	14 اگست 2016ء
کمپوزنگ	زربفت کمپوزنگ سنٹر، لاہور
تزئین واہتمام	حسن محمود
مطبع	حاجی حنیف پرنٹرز لاہور
قیمت	500 روپے
بیرون ملک	15 امریکی ڈالر

انتساب

دخترِ عزیز از جاں

مہرین افتخار

کے نام



فہرست

غزلیں

''پیار کی پہلی بارش''

پاکستانی معاشرے اور کلچر کی جو خوبیاں مجھے پسند ہیں ان میں یہاں کی شاعرانہ ادبی فضا بھی ہے۔ ہر شخص ایک خاص شاعرانہ مزاج رکھتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اگر ان کا مزاج پوچھا جائے تو اس میں سے بیشتر شاعر نکل آتے ہیں۔ اس بھیڑ میں اچھے شعراء کی بھی کمی نہیں۔ مجھے آئے روز جو شعری مجموعے ڈاک میں ملتے ہیں ان میں سے زیادہ تر مجموعوں کی شاعری منفرد تو نہیں البتہ اچھی ضرور ہوتی ہے۔ ''پیار کی پہلی بارش'' کی شاعری مجھے منفرد بھی لگی ہے اور اچھی بھی۔ اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ طویل ریاضت کے بعد منظرِ عام پر آئی ہے۔ افتخار شوکت نے عام نوجوانوں کے برعکس پہلے مجموعے کی اشاعت میں تاخیر کر کے ایک اچھی روایت قائم کی ہے۔ اس مجموعے کی شاعری سادگی اور شگفتگی کا مرقع ہے۔ آسان زبان میں زندگی کے مختلف موضوعات کو نہایت سلیقے اور ہنرمندی سے اشعار کا روپ عطا کیا ہے۔ ہر غزل میں شاعر کا اندر بکھرا ہوا ہے۔ تغزل جو کہ اردو شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ اس میں موجود ہے۔ افتخار کی شاعری میں یکسانیت نہیں ہے وہ اپنے آپ کو دہراتا نہیں ہے۔ اس کی غزل میں کئی رنگ ہیں اور ان رنگوں کے کئی شیڈز ہیں۔ افتخار شوکت کی شاعری مجھے پسند آئی ہے۔ میں اسے ''پیار کی پہلی بارش'' کی اشاعت پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اس کا یہ شعری سفر اسی خوب صورتی کے ساتھ جاری رہے
آمین......

عطاء الحق قاسمی

چیئرمین پاکستان ٹیلی وژن

محبت کا شاعر

افتخار شوکت صاحب جدید غزل کے اہم شاعر ہیں۔ سادہ اور رواں بحروں میں خوب شعر نکالتے ہیں۔ سہلِ ممتنع میں ان کی جولانیٔ طبع نکھر کر سامنے آتی ہے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ غالبؔ نے بھی اپنی شعرگوئی کے دورِ عروج میں یہ راہ اختیار کی تھی۔ محبت ان کا موضوعِ خاص ہے۔ مجھے عشق کی نسبت محبت کا لفظ زیادہ پیارا لگتا ہے۔ محبت مدینہ ہے اور عشق کعبہ۔ محبت میں جمال ہے تو عشق میں جلال۔ افتخار شوکت نے محبت کی رمزیں پالی ہیں اور نفرتوں کو دریا میں بہا دیا ہے۔ افتخار کی شاعری گاؤں کی لڑکی کی طرح ہے۔ کسی گسائی، الھڑ، تصنّع سے بے نیاز، قدرت سے ہم آہنگ، میں اس کی شاعری پڑھتا ہوں تو استاد اللہ بخش کی بنائی ہوئی پینٹنگز میری آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتی ہیں۔

خالد شریف

8 مارچ 2016ء

بھرم عزیز تھا ہم کو بہت رفاقت کا

آج اس پگڈنڈی پر چلتے ہوئے وہ اک دن یاد آتا ہے،
اس دن بادل میرا پہناوا تھے،
میں جب میلی سی اک صبح کی تنہائی میں، ادھر سے پچھلے برس گزرا تھا،
آج بھی بادل......گیلی گیلی تہوں میں ڈھیر دھوئیں کے
ادھر ادھر ہر سُو ہیں ڈھیر دھوئیں کے،
قوسوں سے قوسوں تک، پیڑوں پر، کھیتوں میں، کچی دیواروں پر
صرف اک میرا دل خالی ہے
کیسے کیسے ابد جو بیت گئے ہیں............(مجید امجد)

یہ اب سے کوئی پچیس برس ادھر کی بات ہے، محبت کی اس دعا نے پہلے پہل، نیم خوابیدہ حالت میں سوتے جاگتے ایک شہر سے اپنا سفر آغاز کیا، اور پھر تاریخ اور حالات کے پیچ وخم کھاتی، جغرافیائی حدود کو اپنے اندر سموتی ہوئی ایک ایسے شہر تک جا پہنچی جو سوتا نہیں، ہمہ وقت جاگتا رہتا ہے۔ دعا کا یہ سفر خواجہ عطارؒ کے طائرانِ خوش جمال کی منطق الطیر سے مشابہ ہے۔ آج بھی اس شعری آواز میں ان بیتے ایام کے دلوں کی دھڑکنیں صاف سنائی دیتی ہیں، میں سوچتا ہوں وقت کتنی جلدی ریت کی طرح پیروں کے نیچے سے سرک جاتا ہے۔

ابھی کل ہی کی بات ہے:

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو مے کدے سے تو دنیا بدل گئی
(ریاض خیر آبادی)

یہ موسم بہار کی ایک رو پہلی صبح کا واقعہ ہے جب گورنمنٹ کالج ساہیوال کے روز گارڈن میں دو لوگوں کی ملاقات ہوئی، دونوں طالب علم تھے، لیکن دراصل ان میں سے ایک طالب اور دوسرا مطلوب (بل کہ مقصودِ نظر) تھا۔ طالب زندگی کے جبر کے سائے سائے ”بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردد“ کی عملی تفسیر تھا، جب کہ مطلوب چھریرے بدن (اب فربہ) اور چمپئی رنگت کا حامل نوجوان تھا جس کا حُسن پھولوں کی مہک اور خورشید کی دمک کے مشابہ تھا۔ تفاوتیں تو بہت تھیں لیکن ناموں کے اشتراک نے ”من وتو“ کی تفریق ختم کر دی۔ دلوں اور دماغوں کی فریکوئنسی کچھ ایسی ملی کہ شہر کے ادبی حلقوں میں یہ نام یعنی......افتخار......واحد نہیں بلکہ جمع کے صیغے میں لیا جانے لگا۔ افتخار ایسے ہیں، افتخار ویسے ہیں کی نوعیت کے جملے لطفِ کریمانہ خوش دلاں اور بعض اوقات، پُرغیض خوئے سگاں بن کر سماعتوں سے ٹکرانے لگے۔

اس دور کا ساہیوال شہر الف لیلہ ولیلہ کے کسی طلسم کدے سے کم نہ تھا، کیا کیا صورتیں تھیں، جن میں سے کئی اب حافظے سے بھی محو ہو گئیں، شعر وسخن کی دھن میں مصروف کیسے کیسے شہر یار تھے کہ مانی و بہزاد جیسے نقاش بھی آج انھیں تصویر نہ کر سکیں۔ شہر میں جعفر شیرازی، بشیر احمد بشیر، گوہر ہوشیار پوری، یٰسین قدرت، ناصر شہزاد، مراتب اختر اور محمود علی محمود کا شہرہ تھا۔ کالج الگ سے ایک ادبی مرکز تھا جہاں عبدالقیوم صبا، سید محمد اکبر، سید ریاض حسین زیدی اور قاضی حبیب الرحمن جیسے اساتذہ موجود تھے۔ مولانا حالی سے منسوب حالی روڈ پر ڈاکٹر الف۔د۔نسیم نے الگ حلقۂ درس قائم کیا ہوا تھا۔ نئے لکھنے والوں میں اوصاف شیخ، علی رضا، واصف سجاد، ضیغم رضوی اور غضنفر عباس سید شامل تھے۔ میرا مطلوب ومقصودِ نظر افتخار شوکت

ساہیوال کے پوش علاقے میں قیام پذیر تھا۔شہر کی ادبی فضا سے کماحقہ اثر پذیر ہونے کا اسے میری نسبت زیادہ موقع ملا۔زندگی کا مقصد شعر کہنا اور اسے کسی ادبی رسالے میں اشاعت کے لیے بھیج دینا ٹھہرا۔میں دیوانگی شوق میں اپنی تمام تر بے سروسامانی کے ساتھ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ''ساہیوال کے قبائلی علاقے'' نورشاہ (میرے آبائی قصبے کو یہ نام افتخار شوکت نے دیا تھا) سے ساہیوال پہنچا۔پہلی ٹھیکی افتخار کے گھر 37 وائی فرید ٹاؤن میں لگتی جہاں ایک مادرِ مشفق اپنی مہربان مسکراہٹ اور نصیحت آموز گفتگو کے ساتھ منتظر ہوتیں۔شہر میں ادبی فتوحات حاصل کرنے کی لگن، تکان اور ماندگی کو قریب بھی نہیں آنے دیتی تھی۔سوائے چند روز کے جب ہمارے تصرف میں ایک پرانی فوکسی کار اور ایک بوڑھا ڈرائیور آیا تھا، یہ سفر پیدل طے کیا جاتا۔شہر کی ادبی نشستوں، کالج میگزین اور کالج گزٹ کی اشاعتوں اور استاد محترم جعفر شیرازی کی ادبی تنظیم ''یارانِ ادب'' میں اشتراک کی یہی صورتیں زندگی کا مقصد و محور تھیں۔طالب علمی کے زمانے میں ظاہر ہے۔ یہ باتیں انسان کے ثانوی حیثیت نہیں رکھتیں۔افتخار شوکت نے اس زمانے میں ''کاروانِ ادب'' کے نام سے ایک ادبی مجلس بھی ترتیب دی جس کے یادگار اجلاس منعقد ہوئے۔افتخار شوکت نے ساہیوال سے لاہور نقل مکانی کی تو وہاں بھی اس کا حلقۂ احباب شعر و سخن کی دنیا سے وابستہ لوگ ہی بنے۔اسی دوران اس نے خوب صورت غزلوں کے انتخاب بھی شائع کیے۔افتخار شوکت نے والد گرامی کی ناگہانی وفات کے بعد بڑا بیٹا ہونے کے ناتے گھر کی تمام تر ذمہ داریوں کا فریضہ (بوجھ نہیں) نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا۔زندگی کی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود افتخار شوکت نے اپنے اندر کے تخلیق کار کو مرنے نہیں دیا۔''پیار کی پہلی بارش'' میں شامل غزلیں ایک خاص جمالیاتی ضابطے سے منسلک ہیں۔کرب و نشاط کے یہی تجربے ان شعروں کو تاثر سے محروم نہیں ہونے دیتے۔افتخار شوکت کی غزلوں کو پڑھ کر شعری ارتقا کے مختلف مراحل کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ایک صحت مند رویہ جو معاشرے کے ایک مثالیت پسند فرد کے لیے ضروری ہے۔اور پھر زندگی اور اس کے جبر سے پیدا ہونے والے مسائل ایک خاص انداز

□

سے افتخار شوکت کے ہاں شعری تجربہ بنتے ہیں۔

چند مثالیں دیکھیں:

زندگی ہوگئی ہے کیا سے کیا
ربط ہے اور نہ رابطہ مرے دوست

....

جس کو بچپن میں دیکھتے تھے ہم
حُسن وہ خال خال باقی ہے

....

خود سے باہر نکل کے دیکھو تو
چار سو زندگی پڑی ہوئی ہے

....

میرے تو اختیار میں بننا تھا اس لیے
جیسا بنایا اس نے میں ویسا بنا رہا

....

اتنی ہی سہولت سے گنوا بیٹھا میں اس کو
وہ شخص مجھے جتنی سہولت سے ملا تھا

افتخار شوکت کی غزل میں ادھوری جدیدیت ہی نہیں بلکہ روایت کے ساتھ ایک خاص قسم کی وابستگی بھی دکھائی دیتی ہے۔کہہ سکتے ہیں کہ وہ روایت سے کسی حد تک مربوط تو ہے لیکن روایتی شاعر نہیں۔ٹی ایس ایلیٹ نے روایت کے ساتھ وابستہ ہونا ضرور قرار دیا ہے۔اپنے ایک اہم مضمون Tradition and the Individual Talent میں وہ لکھتا ہے:

No Poet, no artist of any art has his complete meaning alone. His significance, his appreciation is appreciation of his relation to the dead poets and artists. You can not value him alone..........

افتخار شوکت کے ہاں وہ اشعار دیکھیں جن میں روایت ایک ہلکی سی لہر کی طرح، موہوم سی رو کی مانند تیرتی اور رنگینی دکھائی دیتی ہے:

میرؔ جیسا نہیں ہے کوئی یہاں
شہر اب حیرتی سے خالی ہے

....

تیر کیوں کھینچتے ہو ترکش سے
اپنا خیمہ تو عارضی ہے میاں

....

رقص و نغمہ و جام ٹھیک نہیں
اس جگہ پر قیام ٹھیک نہیں

....

کوئی تہمت نہ داغِ رسوائی
وہ محبت بھی کیا محبت ہے

افتخار کا ایک شعر ہے:

شہر میں گم نامی ملنی تھی اسے
دشت میں مجنوں کی شہرت اور ہے

میری دعا ہے کہ افتخار شوکت کے اوّلین شعری مجموعے ''پیار کی پہلی بارش'' کو علمی اور ادبی حلقوں میں قبولیتِ عام حاصل ہو، وہ دشت میں رہے یا شہر میں سکونت اختیار کرے اسے شہرت اور نیک نامی میسر آئے۔

ڈاکٹر محمد افتخار شفیع
شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج ساہیوال
0300-6331350



افتخار شوکت اور اس کی شاعری

غالباً 1998ء کا کوئی دن تھا جب میں اور عباس تابش صاحب میلسی سے بہاولپور روانہ ہوئے ڈیڑھ گھنٹے بعد بہاولپور ڈویژن کے ڈائریکٹر ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن کے گھر کے باہر ہم نے گاڑی روکی اور اندر سے لگ بھگ میرا ہم عمر ایک نوجوان باہر آیا اور بڑے والہانہ انداز میں عباس تابش صاحب سے ملا مجھ سے چونکہ پہلی ملاقات تھی اس لیے نہ کوئی خاص گرم جوشی مجھے محسوس ہوئی اور یہی حال افتخار شوکت کا بھی ہوگا خیر رسمی تعارف کے بعد پتہ چلا کہ اس نوجوان کو شاعری سے بہت لگاؤ ہے اور اس چھوٹی سی عمر میں وہ مدیر بھی رہ چکے ہیں اور ایک عدد کتاب بھی چھاپ چکے ہیں جو انتخاب تھا غزلوں کا جس کے بیک ٹائٹل پر احمد ندیم قاسمی صاحب کی رائے بھی درج تھی میرے ہاتھ میں ایک کتاب تھما دی گئی اور میں اس کے مطالعے میں مصروف ہوگیا اتنے میں مرحوم ومغفور چوہدری شوکت صاحب تشریف لائے جب ان سے تعارف ہوا تو قربت مزید بڑھ گئی کہ میرے بڑے بھائی ان کے سٹوڈنٹ رہ چکے تھے اب چوہدری صاحب میرے لیے انکل شوکت ہو چکے تھے اور نعیم بھائی کی تعلیمی قابلیت بھی میرے سامنے تھی۔

افتخار کے ہاں تب سے شعر اور شعر اشناسی کا ہنر موجود تھا ایک ہنستا مسکراتا نوجوان اور مکمل خلوص کا مظہر ایسے لوگ میں نے بہت کم دیکھے ہیں بس تب سے افتخار کی دوستی میرے

لیے باعثِ افتخار ہے،90ء کی دہائی کے بہت سے لوگ اچانک غم دوراں کے معاملات میں ایسے الجھے کہ منظر سے غائب ہو گئے اور یوں مجھ جیسے لوگ جن کا اول و آخر مسئلہ شاعری تھا تنہا رہ گئے لیکن افتخار کے منظر نامے سے غائب ہونے کی وجہ گھر میں بڑا ہونا اور ذمے داریوں کو نبھانا تھا، انکل شوکت کے انتقال کے بعد افتخار زندگی کے معاملات میں ایسا الجھا کہ ہم سے کہیں دور غائب ہو گیا پھر ایک مدت بعد اس کی شادی کا کارڈ آیا اور یوں سلسلہ گاہے بہ گاہے ملاقاتوں کا دوبارا چل نکلا، بہت عرصے بعد جب ملاقات ہوئی تو میرا پہلا سوال تھا کہ شاعری کی سناؤ جس کا جواب انتہائی مایوس کن تھا کہ ہم سے تو چھوٹیں محفلیں۔

یہ تمام پس منظر بتانے کی وجہ یہ ہے کہ قارئین اس کتاب کو پڑھتے ہوئے یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ ایک ایسے شاعر کی کتاب ہے جس کی تخلیقی قوت پر دنیا اور دنیاداری نے کئی کاری ضربیں لگائی ہیں جس کی وجہ سے وہ گھائل بھی ہوا اور کئی بار اس کا حوصلہ بھی ٹوٹا ہے ورنہ اس کی اٹھان کا میں گواہ ہوں بقول افتخار یہ تمام شاعری اسی دور کی ہے اور اسی طرح ہے۔

یہ وہ کتاب ہے اگر حالات ساتھ دیتے تو 2000ء سے پہلے چھپ جاتی میں نے جب مطالعہ کیا تو مجھے دکھ بھی ہوا اور خوشی بھی دکھ اس بات کا کہ کتنا اچھا شاعر حالات نے چھین لیا اور خوشی اس بات کی کہ بالآخر جیت شاعری کی ہوئی اور وہ نوجوان اب بالوں میں چاندی لیے پھر سے شاعروں کی دنیا میں آچکا ہے اور اپنی آمد کا اعلان اس نے ایک مجموعے سے کیا ہے، افتخار کے لیے بہت سی دعائیں!

ندیم بھابھہ



کچھ یادیں کچھ باتیں

گورنمنٹ کالج ساہیوال میں داخلہ 1993ء میں فرسٹ ائیر میں ہوا تو نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔شعری محافل کے انعقاد کا آغاز ہوا تو بطور سامع شرکت کرنے لگا۔جو شعر اچھا لگا اسے حفظ کر لیا جو اچھی کتاب پڑھنے کو ملی تو اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔خوش قسمتی سے آغاز ہی اچھے اور قابل اساتذہ کا ساتھ شامل حال رہا۔جنہوں نے ہر قدم پر کمال حوصلہ افزائی کی۔کالج میں پروفیسر سید ریاض حسین زیدی، پروفیسر قاضی حبیب الرحمن، پروفیسر عبدالقیوم صبا اور پرنسپل ہر دلعزیز شخصیت کے مالک پروفیسر قمر الزمان خاں جو خود بھی ایک اعلیٰ ادبی ذوق کے حامل تھے سے کسب فیض کیا۔کالج کی ادبی تنظیم کا سیکریٹری اور کالج میگزین ”ساہیوال“ کا نائب مدیر بن گیا۔شعر گوئی کا آغاز ہوا تو انتہائی مہربان دوست جناب افتخار شفیع سے مشورہ کر لیتا۔انہی کے توسط سے میری ملاقات فرید ٹاؤن میں مقیم ممتاز بزرگ شاعر جناب جعفر شیرازی سے ہوئی۔میری رہائش بھی ان دنوں فرید ٹاؤن میں تھی لہٰذا شام کو اکثر ملاقات کے لیے شیراز کاٹیج اردو روڈ چلا جاتا۔ان دنوں جو کوئی بھی ادبی شخصیت بیرون شہر یا ملک سے ساہیوال آتی وہ شیراز کاٹیج ضرور تشریف لاتی۔کئی مشاعرے اور ادبی نشستیں شیراز کاٹیج میں منعقد ہوتیں۔اس دور میں یعنی 1993ء میں ساہیوال کی ادبی منظر نامے میں ممتاز شعراء جناب بشیر احمد بشیر، جناب گوہر

ہوشیار پوری، جناب ناصر شہزاد، جناب محمود علی محمود، جناب طالب جتوئی، جناب راؤ کنور شفیق احمد، جناب نعیم نقوی، جناب شہزاد انجم، جناب علی وارث انصاری، جناب حکیم شاہنواز انجم، جناب ایم اے اشرف، جناب امین رضا، جناب اوصاف شیخ، جناب علی رضا، جناب غضنفر عباس سید، جناب ضیغم رضوی، جناب افتخار شفیع، جناب رانا سردار پرویز، جناب عارف محمود رانا، جناب حسرت بلال، جناب خالق آرزو سمیت کئی دیگر دوست بھی فعال تھے۔ مجید امجد اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا تو اس کے زیر اہتمام بھی ادبی تقاریب جناح ہال میں ہونے لگیں۔ تب ساہیوال میں انتظامی حوالے سے بھی کافی شاعرانہ ماحول پایا جاتا تھا کہ ڈپٹی کمشنر مسعود احمد شاہ، ایس پی شوکت ہاشمی، کمشنر انکم ٹیکس امتیاز انجم، ڈائریکٹر انفامیشن ذکاءاللہ انجم ملغانی باقاعدہ شاعری کرتے اور مشاعروں میں شرکت کرتے۔ اس سے قبل ڈپٹی کمشنر سید تجمل عباس شہید کی ادبی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ 1994ء میں کاروانِ ادب کے نام سے ادبی تنظیم قائم کی اور بہت سی ادبی تقاریب اس کے زیر اہتمام ہوئیں۔ بہت سی ادبی شخصیات سے تعارف اس دور میں ہوا۔

اپنے گھر میں مجھے والد محترم جناب شوکت علی چوہدری جو کہ صوبائی سول سروس میں آنے سے قبل محکمہ تعلیم سے وابستہ تھے۔ بہت حوصلہ افزائی فرماتے۔ اقبالیات ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔ خود اردو ادبیات میں ایم اے امتیازی حیثیت میں کامیابی حاصل کی اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ 1976ء تا 1981ء تک شعبہ انگریزی ادبیات گورنمنٹ کالج ساہیوال سے منسلک رہے۔ ملک کے طول و ارض میں ان کے شاگردوں کی اچھی خاصی تعداد مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اپنے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ اور شعبہ تعلیم میں ان کی گراں قدر خدمات کے معترف ہیں۔ خود میں نے بھی ان سے بہت کچھ سیکھا۔ وہ انتہائی شفیق استاد، مہربان باپ، پر خلوص، پر اثر با کمال شخصیت کے مالک تھے۔ 8 دسمبر 2006ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ میرا جہان تب سے ویران اور دل درد سے آباد ہے۔ خدائے بزرگ و

برتر ان کے درجات بلند کرے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین

اس دوران جن شہروں میں میرا قیام رہا ان میں ساہیوال، اوکاڑہ، اٹک، فیصل آباد، لاہور، وہاڑی، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان اور بہاول پور شامل ہیں۔

لاہور 1996ء میں منتقل ہوا تو رہائش علامہ اقبال ٹاؤن کے جہانزیب بلاک میں تھی جو کہ شاعروں ادیبوں کے حوالے سے بہت مشہور تھا۔ ستلج بلاک اور جہانزیب بلاک میں اکثر الاٹمنٹ لکھنے والوں کے نام ہی ہوئی تھی۔ ان دنوں معروف شاعر جناب سعداللہ شاہ اور جناب ثناءاللہ ستلج بلاک میں رہائش پذیر تھے۔ اکثر شام کے اوقات میں ان سے ملاقات رہتی۔ کئی ادبی تقاریب میں اکٹھے جانا ہوتا۔ میرا پہلا شعری انتخاب "خوشبو تیرے نام" 1997ء میں پاکستان گولڈن جوبلی کے موقع پر شائع ہوا جس کا فلیپ ممتاز ادبی شخصیت جناب احمد ندیم قاسمی نے تحریر کیا جو بہت اعزاز کی بات ہے۔ میرا دوسرا شعری انتخاب "غزلیں تیری آنکھوں جیسی" 2002ء میں شائع ہوا۔ 1996ء میں لاہور منتقل ہونے کے بعد ممتاز شاعر جناب عباس تابش سے رابطہ کیا تو انہوں نے الحمد پبلی کیشنز پر بلا لیا۔ ان دنوں بہت سی ادبی شخصیات الحمد پبلی کیشنز پر تشریف لاتیں۔ تو اکثر کے ساتھ ان کے اعزاز میں ادارے کے منتظم جناب صفدر حسین تقاریب کا انعقاد کرتے۔ راقم کی جناب جون ایلیا، جناب قتیل شفائی، جناب احمد راہی، جناب اسلم انصاری، جناب شہزاد احمد، جناب شوکت ہاشمی سے ملاقاتیں اس ادارے پر ہوئیں۔ بعد ازاں جناب عباس تابش نے اپنے اشاعتی ادارے الرزاق پبلی کیشنز کی بنیاد رکھ دی جس کے ابتدا میں بہت یادگار کتب شائع کیں۔ یہ ادارہ بھی ان دنوں ادبی لحاظ سے بہت اہمیت اختیار کر گیا۔ اس ادارے میں اکٹھے ہوتے گپ شپ لگاتے۔ کسی ادبی تقریب میں جانا ہوتا تو یہیں سے اپنے سفر کا آغاز کرتے۔ بہت سے دوست شام کے کسی حصے میں فراغت پاتے ہی تابش صاحب کے دفتر آجاتے۔ جناب ندیم بھابھہ، جناب ڈاکٹر اشفاق قمر، جناب ڈاکٹر اشفاق ناصر، جناب سید نوید حیدر ہاشمی، جناب سلیم گورمانی، جناب عدنان خالد، جناب شکیل جاذب، جناب حسن عباسی، جناب کنور امتیاز احمد، جناب رضوان رانا،

جناب ارشد شاہین، جناب حمید تسلیم، جناب اعجاز ثاقب، جناب حسنین سحر، جناب فیصل حنیف، جناب احمد فرید، جناب وصی شاہ، محترمہ ریحانہ قمر، جناب رانا عدنان نبیل، جناب سید امتیاز کا بھی کسی نہ کسی حوالے الرزاق پبلی کیشنز آنا جانا رہتا اور یوں میری ملاقات ان احباب سے ہوتی رہتی۔ میں ذاتی طور پر کبھی بھی کسی ادبی سیاست کے کسی دھڑے یا دھڑے بندی سے منسلک نہیں رہا۔ نہ ہی کبھی شہرت کے لیے بے چین ہوا نہ کبھی مشاعرے پڑھنے کے لیے ٹی وی چینل کے چکر کاٹے۔ جس سے تعلق رہا بے غرض اور غیر مشروط محبت کا تعلق رہا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت کم احباب سے کبھی اختلاف ہوا۔ ہمیشہ محبت تقسیم کرنے کے عمل میں رہا۔ اس دوران بہت سے احباب سے تعلق رہا جو اب تک قائم ہے۔ میں ان سب احباب کا دلی طور پر شکر گزار ہوں۔ جن میں جناب ڈاکٹر معید احمد، جناب ڈاکٹر سید تنویر شاہ، جناب امجد حسین ملک ایڈووکیٹ، جناب فرحت شہزاد (امریکہ)، جناب علی رضا احمد، جناب ڈاکٹر رضوان رضا، جناب عامر بن علی (جاپان)، جناب کیپٹن (ر) عطا محمد خان، جناب ارشد نذیر ساحل (سپین)، جناب راجا نیئر، جناب میاں عمران رشید، جناب محمد امین، جناب جاوید اقبال مہدی، جناب جنید اقبال، جناب وسیم الطاف، جناب امتیاز احمد خان، جناب انجم سلیمی، جناب مقصود وفا، جناب جعفر حسن مبارک، جناب عبداللہ عامر، جناب فیض ملک، جناب شہزاد بیگ، جناب ڈاکٹر اشفاق قمر، جناب ندیم انجم میاں، جناب رحمان فارس، جناب محمد ندیم بھٹی، جناب طارق اسمٰعیل، جناب میاں عتیق احمد، محترمہ ڈاکٹر صغریٰ صدف، جناب حامد بہلول، محترمہ ڈاکٹر عمرانہ مشتاق، محترمہ ڈاکٹر شہناز مزمل، محترمہ نگہت خان (امریکہ)، جناب ظفر خان (آسٹریلیا)، جناب صہیب مرغوب، جناب چوہدری رفیق حسین، جناب میاں محمد اشرف چھچھر، جناب محمد راشد، جناب محمد یعقوب خان، جناب ذوالفقار شوکت، جناب ابرار شوکت، محترمہ سفینہ سلیم چوہدری، جناب محمد علی رامے، جناب چوہدری صلاح الدین ایڈووکیٹ، جناب میاں اشفاق حیدر، محترمہ رابعہ رحمان، جناب رانا واجد علی، جناب طارق نورانی، محترمہ لبنیٰ صفدر، جناب محمد یونس، جناب احمد رضا اقبال، جناب کاظم جعفری۔

کچھ ادیب دوست جو داغِ مفارقت دے گئے ہیں ان کو فراموش کرنا میرے لیے خود کو فراموش کرنا ہے۔ سید شوکت ہاشمی، سید تنویر عباس نقوی (روزنامہ خبریں)، فرخ شہزاد غوری (روزنامہ پاکستان)، معین احمد (جیو نیوز)، پروفیسر احمد فراز (ساہیوال) کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

اس کتاب کی تدوین کے سلسلے میں مجھے اپنی فیملی کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے۔ والدہ محترمہ کا کہ جن کی دعاؤں سے یہ کتاب مرتب کر سکا۔ اہلیہ محترمہ آسیہ افتخار کا کہ جن کا بنیادی شعبہ فزکس ہے اور وہ اسی میں آج کل پی ایچ ڈی کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔

پیاری بیٹی مہرین افتخار کا جو خود ابھی سے سکول میں غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہوئے نظمیں لکھتی ہے۔

شاعری آپ کے سامنے ہے اگر اپنی رائے سے نواز سکیں تو انتہائی مشکور رہوں گا۔

آپ کا

افتخار شوکت

نستعلیق، اردو بازار لاہور

0321-6012211

iftekharch786@yahoo.com

14 اگست 2016ء

حمد، نعت، سلام



حمد باری تعالیٰ

خوابوں کو تعبیر عطا کرتا ہے ربّ
ہر پل اپنا فضل کیا کرتا ہے ربّ

اس سے ملنا کون سا اتنا مشکل ہے
جھانک کے دیکھو دل میں رہا کرتا ہے ربّ

ناداں اس کے رازوں کو کیسے سمجھیں
جو کرتا ہے ٹھیک کیا کرتا ہے ربّ

ہاتھ اٹھا کر اونچی دعائیں کیوں مانگوں
خاموشی بھی میری سنا کرتا ہے ربّ

تنہائی کا کیسے ہو احساس بھلا
میرے اندر مجھ کو ملا کرتا ہے ربّ

اپنے بندوں میں تفریق نہیں کرتا
شوکتؔ سب کے لیے در وا کرتا ہے ربّ

حمد باری تعالیٰ

ذات وہم و گماں سے باہر ہے
حمد اس کی بیاں سے باہر ہے

سارے کردار اس کے ہیں لیکن
پھر بھی وہ داستاں سے باہر ہے

ہر بلندی پہ وہ ہے جلوہ نما
اور ہر آسماں سے باہر ہے

ذات میری حصار میں اس کے
دل کے اندر، وہ جاں سے باہر ہے



لفظ محدود، وہ ہے لامحدود
وصف اس کا زباں سے باہر ہے

افتخارؔ آؤ اس کا ذکر کریں
وہ جو سود و زیاں سے باہر ہے

نعت شریف

ہستی کا کچھ وجود نہ تھا آپؐ کے بغیر
خوشبو سے بے خبر تھی ہوا آپؐ کے بغیر

غنچوں کو آپؐ نے دیا اذنِ شگفتگی
باغوں میں آ نہ پائے صبا آپؐ کے بغیر

میری ہر اک دعا کا وسیلہ حضور ہیں
کیا ہو قبول کوئی دعا آپؐ کے بغیر

صدیوں سے تار تار تھا پیراہنِ حیات
کرتا رفو یہ کون قبا آپؐ کے بغیر

میں آپؐ کے بغیر کسی کام کا نہیں
کوئی نہیں حضورؐ! مرا آپؐ کے بغیر

ہے میرا افتخار غلامی حضورؐ کی
ورنہ مری بساط ہی کیا آپؐ کے بغیر

سلام

حسنؓ، حسینؓ، علیؓ، فاطمہؓ پہ لاکھوں سلام
میں اس گھرانے کا شوکت ہوں ایک ادنیٰ غلام

حسینؓ پیر ہے میرا حسینؓ میرا ولی
حسینؓ مُرشد و ہادی حسینؓ میرا امام

یہ زندگی جو مری کٹ گئی حسینؓ کی تھی
جو بچ گئی ہے سراپا ہے وہ حسینؓ کے نام

غمِ حسینؓ ہے مجھ میں بسا ہوا اتنا
کوئی بھی شام ہو لگتی ہے کربلا کی شام

حسینؓ جیسا کوئی کر سکا نہیں سجدہ
حسینؓ جیسا کسی نے کیا نہیں ہے قیام

غمِ حسینؓ مری زندگی کا حاصل ہے
میں اپنی بات کو کرتا ہوں افتخارؔ تمام

غزلیں





سیدھے سادوں کو بھی ہشیار بنا دیتے ہیں
دھوکے دنیا کے سمجھدار بنا دیتے ہیں

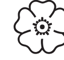
اپنی آنکھوں میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں
جس کو بھی دیکھیں چمکدار بنا دیتے ہیں

بات اتنی ہے کہ جو اس کو پسند آتا ہے
ہم اسی چیز کو معیار بنا دیتے ہیں

پہلے ہجرت پہ کیا جاتا ہے مجبور ہمیں
اور پھر رستہ بھی دشوار بنا دیتے ہیں

تم یونہی دور رہا کرتے ہو ہم سے ورنہ
جس کو چھو لیں اسے شہکار بنا دیتے ہیں

ہم جنہیں دیکھ کے جیتے ہیں وہ چہرے شوکتؔ
دیکھتے دیکھتے بیمار بنا دیتے ہیں



کوئی تو بات ہے کچھ دن سے ہاں خاموش رہتے ہیں
وگرنہ سرپھرے ہم سے کہاں خاموش رہتے ہیں

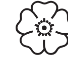
بہت مانوس ہوتے ہیں در و دیوار انساں سے
مکیں جب چھوڑ جائیں تو مکاں خاموش رہتے ہیں

یہی اک جرم ہے جس نے یہاں تک ہم کو پہنچایا
جہاں پر بولنا ہو ہم وہاں خاموش رہتے ہیں

کہانی میں فقط ان کا یہی کردار ہوتا ہے
جو ہوتے ہیں بہت ہی مہرباں، خاموش رہتے ہیں

وگرنہ بات کیا ہے جو ہمیں کرنا نہیں آتی
تمہارے سامنے ہم جانِ جاں خاموش رہتے ہیں

محبت میں اک ایسا موڑ بھی آتا ہے جب شوکتؔ
یقیں خاموش رہتے ہیں گُماں خاموش رہتے ہیں



آزمائے دوستوں کو آزمائیں کس لیے
روز و شب ہم پھر سے اپنا جی جلائیں کس لیے

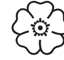
ہر صدا ہے ایک دھوکہ، ہر نظر ہے اک فریب
اب کسی آواز پر ہم اٹھ کے جائیں کس لیے

ایک مدت ہوگئی ہے خود کلامی چھوڑ دی
انہی باتوں سے خود اپنا دل دکھائیں کس لیے

ان کو کیا حق ہے کہ مجھ سے چھین لیں صبر و قرار
ان کو کیا حق ہے مری نیندیں اڑائیں کس لیے

جانتا ہوں چاہوں بھی تو پورے کر سکتا نہیں
پھر کسی معصوم کو سپنے دکھاؤں کس لیے

شام اس سے کون سی ہوگی سہانی افتخارؔ
جلدی جلدی دن کو اپنے میں بتاؤں کس لیے



منت سے ملا مجھ کو نہ منت سے ملا تھا
یہ مرتبۂ عشق رفاقت سے ملا تھا

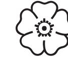
تھی ملنے کی جتنی بھی خوشی دُکھ بھی تھا اُتنا
وہ مجھ سے رقیبوں کی اجازت سے ملا تھا

اتنی ہی سہولت سے گنوا بیٹھا میں اس کو
وہ شخص مجھے جتنی سہولت سے ملا تھا

میں اس کے لیے کیوں نہ دل و جان لٹاتا
وہ مجھ کو فقط عشق کی نسبت سے ملا تھا

چلتی نہ بھلا کیسے کوئی پھلجھڑی مجھ میں
شوخی سے ملا تھا وہ شرارت سے ملا تھا

اے ربِ سخن فضل ہو ایسا کہ ملے جو
وہ سب کو بتائے کہ میں شوکتؔ سے ملا تھا



کیا کیا اُڑان بھرتے ہیں پر کے بغیر بھی
کتنے سفر کیے ہیں سفر کے بغیر بھی

جس میں ترے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا
دیکھا ہے اک جہان نظر کے بغیر بھی

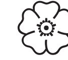
یہ کائنات لگتی ہے اپنا مکاں مجھے
گھر میں رہا ہوں میں سدا گھر کے بغیر بھی

ورنہ تو اپنے آپ سے وحشت سی ہے مجھے
نیکی کا کام کرتا ہوں ڈر کے بغیر بھی

یہ معجزے بھی اس کی محبت میں ہو گئے
شہکار کچھ تراشے ہنر کے بغیر بھی

ہر خاص و عام ملتے ہیں درویش سے جہاں
دربار کچھ تو ہوتے ہیں در کے بغیر بھی

شوکتؔ کسی بھی گھر میں جو ماں کا وجود ہو
رہتی ہے اس میں چھاؤں شجر کے بغیر بھی



مشکل کسی طرح تو مری حل کرے کوئی
دیوانہ ہو چکا ہوں میں پاگل کرے کوئی

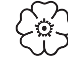
بوندیں تو میری پیاس بڑھاتی ہیں اور بھی
صحرا مزاج ہوں مجھے جل تھل کرے کوئی

خالی پڑا ہوں میں کسی گُلدان کی طرح
مجھ میں سما کے مجھ کو مکمل کرے کوئی

بچپن گزارا میں نے کڑی دھوپ میں بہت
چہرے پہ اب تو پیار کا آنچل کرے کوئی

گاڑی چلا رہا ہوں محبت کی آج کل
محتاط مجھ کو نیند سے ہر پل کرے کوئی

شوکت زمیں پہ دھول کی صورت رہا ہوں میں
اب آسمان پر ہوں سو بادل کرے کوئی



آنسو تھا اس کی یاد میں دریا بنا رہا
اس کا کرم ہوا تو میں ایسا بنا رہا

میرے تو اختیار میں بننا تھا اس لیے
جیسا بنایا اُس نے میں ویسا بنا رہا

ورنہ مرا وجود ازل سے ہی برف تھا
میں تو کسی کے چھونے سے شعلہ بنا رہا

میرے علاوہ کوئی نہیں تھا جہان میں
اپنے ہی درمیان تماشا بنا رہا

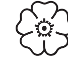
مجھ پر ستارے ٹوٹ کے گرتے رہے سبھی
شاید فلک کے واسطے خطرہ بنا رہا

اب تو کسی کو نام نہیں یاد شہر میں
پہلے ترے حوالے سے چرچا بنا رہا

رستے میں اک فقیر نے مجھ کو دعائیں دیں
پھر چلچلاتی دھوپ میں سایا بنا رہا

میرا وجود ڈھل گیا میرے مکان میں
دیوار و در پہ یاد کا چہرہ بنا رہا

میں جب بھی ڈوبا چاند مرے ساتھ تھا
اس سے مرا عجیب سا رشتہ بنا رہا



کن جہانوں سے گزر رکھا گیا
عمر بھر محو سفر رکھا گیا

آئنوں میں عکس ہی کچھ اور تھے
ہم کو خود سے بے خبر رکھا گیا

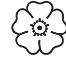
لوگ سننا چاہتے تھے پر وہاں
قصہ اپنا مختصر رکھا گیا

گھر کے پنچھی دشت میں چھوڑے گئے
دشت کے پنچھی کو گھر رکھا گیا

میں کسی کے دھیان میں بیٹھا رہا
جب انگارا ہاتھ پر رکھا گیا

ہر قدم پر اپنی منزل تھی مگر
ہم کو پھر بھی دربدر رکھا گیا

ہم نہتے ہوگئے جب افتخارؔ
راستوں کو پُرخطر رکھا گیا



دوریاں جتنی ہیں دریا میں بہا دیتے ہیں
ایسا کرتے ہیں کناروں کو ملا دیتے ہیں

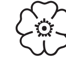
تخت بھی سونپ کے ہم بات نہیں کرتے پر
لوگ چھوٹا سا بھی احسان جتا دیتے ہیں

ہم تعارف بھی وہاں اپنا کرائیں کیوں کر
جانِ محفل کو وہ محفل سے اٹھا دیتے ہیں

ان کی چوری تو کسی طور نہ پکڑی جائے
اپنی آنکھوں میں سمندر کو چھپا دیتے ہیں

میں بھلا کس لیے پرواہ کروں لوگوں کی
دکھ ہی دیتے ہیں مجھے اور یہ کیا دیتے ہیں

وہ جسے یاد بہت رکھا ہوا ہے شوکتؔ
ایسا کرتے ہیں کہ اب اس کو بُھلا دیتے ہیں



لفظ کو پھول بنانے میں بہت دیر لگی
حالِ دل اُس کو سنانے میں بہت دیر لگی

اس کی بکھری ہوئی یادوں کو سمیٹا میں نے
یہی سامان اٹھانے میں بہت دیر لگی

نام اک پیڑ پہ لکھا تھا تمہارا میرا
دشت کو چھوڑ کے جانے میں بہت دیر لگی

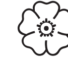
اپنے ہی رستے میں تھا آپ ہی حائل میں تو
اس لیے خود کو ہٹانے میں بہت دیر لگی

تو مرے پاس نہ تھا جام نہ تھا چاند نہ تھا
شام کو شام بنانے میں بہت دیر لگی

جو کبھی ترکِ تعلق کی طرف اٹھتا ہے
وہ قدم مجھ کو اٹھانے میں بہت دیر لگی

میں اکیلا تھا مجھے کون تسلی دیتا
اشک آنکھوں کے سکھانے میں بہت دیر لگی

دل کی دیوار پہ آ بیٹھی تھیں یادیں شوکتؔ
ان پرندوں کو اڑانے میں بہت دیر لگی



خود کو جتنا سنوارتی جائے
آئینے کو نکھارتی جائے

میں ہوں خاموش جھیل کا پانی
اور پتھر وہ مارتی جائے

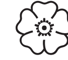
میں اگر اس کو مل بھی جاؤں تو
نام میرا پکارتی جائے

جب بھی آئے وہ سادہ سی لڑکی
شوخ جذبے اُبھارتی جائے



کب گزاری ہے زندگی میں نے
زیست مجھ کو گزارتی جائے

وہ مجھے جیت جائے گی شوکتؔ
وہ بلاوجہ ہارتی جائے



دل فسردہ ہو تو پھر ہنس کے دکھایا نہ کرو
کاغذی پھولوں سے گلدان سجایا نہ کرو

میں نہیں ہوتا کوئی اور وہاں ہوتا ہے
جب خفا ہوں تو مجھے ہاتھ لگایا نہ کرو

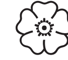
یا تو سچ مچ انہیں بخشا کرو تعبیر کوئی
ورنہ آنکھوں کو مری خواب دکھایا نہ کرو

ساتھ گر دے نہیں سکتے تو تسلی مت دو
میری مشکل کو مرے دوست بڑھایا نہ کرو

خامشی جتنی بھی گہری ہو اثر رکھتی ہے
یونہی ہر بات پہ طوفان اٹھایا نہ کرو

صرف اب کان نہیں یہ تو زباں رکھتے ہیں
در و دیوار کو بھی حال سنایا نہ کرو

افتخارؔ اس نے مجھے یہ بھی کہا یہ بھی کہا
ایسی باتوں سے کبھی دل کو جلایا نہ کرو



کیسے کیسے سوال کرتی ہیں
تیری آنکھیں کمال کرتی ہیں

خواہشیں دیتی ہیں ہزاروں دکھ
آرزوئیں بحال کرتی ہیں

صرف تیرے جمال کی صبحیں
دن مرے مالا مال کرتی ہیں

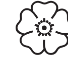
کچھ نگاہیں مرے تعاقب میں
کچھ مری دیکھ بھال کرتی ہیں



زیست آسان کرنے کی سوچیں
کتنا جینا محال کرتی ہیں

سر پٹکتی ہیں لہریں ساحل پر
جانے کس کا ملال کرتی ہیں

افتخارؔ احتیاط آنکھوں سے
چہروں کو یرغمال کرتی ہیں



اس لیے تو عداوتیں ہیں بہت
اپنی اپنی ضرورتیں ہیں بہت

اب مرا دل کہیں نہیں لگتا
اس کے اندر کثافتیں ہیں بہت

دیو کی قید میں ہے شہزادی
اس طرح کی روایتیں ہیں بہت

تم ملے ہو تو ایسے لگتا ہے
زندگی کی عنایتیں ہیں بہت

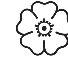


اک اذیت ہے آدمی خود بھی
اور اس کی اذیتیں ہیں بہت

اپنی مرضی سے جینا چاہو تو
دوزخیں اور جنتیں ہیں بہت

ہم اناؤں میں قید ہیں ورنہ
اب بھی ملنے کی صورتیں ہیں بہت

گر ہوں سچّی محبتیں شوکتؔ
فاصلوں میں بھی قربتیں ہیں بہت



ہر حقیقی خوشی سے خالی ہے
زندگی، زندگی سے خالی ہے

تارے جب آسماں پہ ہیں موجود
آنکھ کیوں روشنی سے خالی ہے

چاند چھت پر چمک رہا ہے مگر
صحن تو چاندنی سے خالی ہے

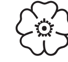
میرؔ جیسا نہیں ہے کوئی یہاں
شہر اب حیرتی سے خالی ہے



ہر طرف لوگ اور لاکھوں لوگ
اب زمیں آدمی سے خالی ہے

ہے چکا چوند ساری مصنوعی
حُسن اب سادگی سے خالی ہے

اس لیے تو مزا نہیں شوکتؔ
زیست آوارگی سے خالی ہے



اس کو اپنا حال سنایا جا سکتا ہے
دل کا کیا ہے دل بہلایا جا سکتا ہے

تاروں سے بھی شب بھر باتیں ہو سکتی ہیں
پلکوں پر اک اشک سجایا جا سکتا ہے

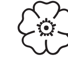
جس نے میری آنکھیں خوابوں سے بھر دی ہیں
اس کا ہر احسان اٹھایا جا سکتا ہے

شیشہ توڑ کے اپنے گھر کی خاموشی کو
جب چاہیں آواز بنایا جا سکتا ہے

جس کا نام محبت رکھا ہے سب نے
وہ نغمہ ہر ساز پہ گایا جا سکتا ہے

ان کے اندر چند دریچے بن جائیں تو
دیواروں کا درد بٹایا جا سکتا ہے

بات بنانے کا فن آتا ہو تو شوکتؔ
پتھر میں بھی پھول کھلایا جا سکتا ہے



وہ شخص پہلے دن سے حقیقت پسند تھا
کل مجھ میں مر گیا جو اذیت پسند تھا

ہر سو معاشرے میں خباثت کے ڈھیر تھے
کیسے اسے بچاتا نفاست پسند تھا

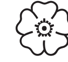
ہر چیز تھی بکاؤ محبت ہی کیوں نہ ہو
ہر شخص میرے شہر کا اجرت پسند تھا

جس جا بھی وہ گیا وہاں بونے ملے اسے
کردار میں عظیم تھا، قامت پسند تھا

اک وہ تھا جو خدا سے ملا واسطے بغیر
ورنہ تمام شہر ہی نسبت پسند تھا

یہ بات تو نہیں کہ وہ اکتا گیا تھا دوست
ہے بات یہ کہ تھوڑا سا عجلت پسند تھا

کیسے وہ ایک شہر میں رہتا تمام عمر
بچپن سے افتخارؔ تو ہجرت پسند تھا



کبھی دکھ ہے، کبھی خوشی ہے میاں
بس یہی حسنِ زندگی ہے میاں

عین ممکن ہے عشق ہو جائے
ورنہ فی الحال دل لگی ہے میاں

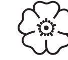
تیر کیوں کھینچتے ہو ترکش سے
اپنا خیمہ تو عارضی ہے میاں

ہم نے اپنا مقابلہ کیا ہے
یعنی خود سے برابری ہے میاں

خود سے باہر نکل کے دیکھو تو
چار سو زندگی پڑی ہے، میاں

دیکھ کے چہرہ آپ پڑھ لیجے
داستاں اپنی سرسری ہے، میاں

آپ بیتی ہے تھوڑی جگ بیتی
یہ جو شوکتؔ کی شاعری ہے میاں



آگیا سال پھر نیا مرے دوست
درگذر سب کہا سنا مرے دوست

اس کی آنکھوں سے جو بھی اشک گرا
پھول مٹی پہ بن گیا مرے دوست

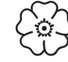
کیا بتاؤں جہاں کے بارے میں
میں یہاں ہوں نیا نیا مرے دوست

زندگی ہوگئی ہے کیا سے کیا
ربط ہے اور نہ رابطہ مرے دوست



ہجر اوڑھا ہوا تھا جب میں نے
ان دنوں مجھ کو دیکھتا مرے دوست

خود سے میں بانٹتا ہوں غم شوکتؔ
یوں تو رہتے ہیں جابجا مرے دوست



جس نے اس سے ملا دیا مرے دوست
میرے بچپن کا خواب تھا مرے دوست

اس لیے میں وہاں پہ جاتا تھا
جھیل میں پہلے چاند تھا مرے دوست

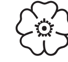
میری رائے بہت مناسب تھی
کوئی تو مجھ سے پوچھتا مرے دوست

میں محبت سے دور بھاگتا تھا
ہو گیا پھر بھی سانحہ مرے دوست

دوست سب تھے خوشامدی ان میں
میں ذرا سا تھا سر پھرا مرے دوست

حوصلہ ہارنا نہیں اچھا
کب رہا وقت ایک سا مرے دوست

کیسے ہو افتخارؔ ناامید
جل رہا ہے ابھی دیا مرے دوست



شعر کہنے میں سہولت اور ہے
ان دنوں مجھ کو محبت اور ہے

کیوں مثالیں دیتا ہے فردوس کی
ماں کے قدموں میں تو جنت اور ہے

شہر میں گمنام رہ جاتا مگر
دشت میں مجنوں کی شہرت اور ہے

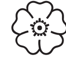
جب تمہارے ساتھ ہوتا ہوں کہیں
مجھ کو لگتا ہے کہ قسمت اور ہے



بارشوں میں اور ہوتا ہے جنوں
چاندنی راتوں میں وحشت اور ہے

جا بجا پھولوں پہ اُڑتی تتلیاں
فصلِ گل میں دل کی حالت اور ہے

عشق میں رسوائیاں ہیں افتخارؔ
ہو اگر سچا تو عزت اور ہے



ہائے وہ دن جب یہاں شام و سحر تھی زندگی
اس قدر مصروفیت سے بے خبر تھی زندگی

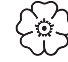
اہمیت انسان کی سب سے مقدم تھی یہاں
اس لیے ہر موڑ پر ہی معتبر تھی زندگی

اب ہمیں سب کچھ میسر ہے یہاں اس کے بغیر
کچھ نہیں تھا پاس اپنے ہاں مگر تھی زندگی

خون کے سائے ہیں رقصاں اب جدھر بھی جائیے
کب انہی گلیوں میں پہلے پُرخطر تھی زندگی

اب مرے حصے میں بس حدِّ نظر تک دھوپ ہے
میرے سر پر باپ کے ہوتے شجر تھی زندگی

یونہی اٹھ کر آ گئے محفل سے ہم تو افتخارؔ
سچ اگر پوچھے کوئی تو اپنے گھر تھی زندگی



ہر قدم دائرے سے باہر ہے
زندگی حوصلے سے باہر ہے

منزلیں، منزلوں سے آگے ہیں
راستہ، راستے سے باہر ہے

آب سے آئینہ ہے کب باہر
عکس بھی آئنے سے باہر ہے

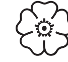
دکھ نہیں ہے، وہ اپنے آپ میں بھی
جو کسی سلسلے سے باہر ہے



اس قدر فاصلے پہ ہے انصاف
فیصلہ، فیصلے سے باہر ہے

قافلے نے بھٹکنا ہے آخر
رہنما قافلے سے باہر ہے

ہم کہاں جا کے ڈھونڈیں شوکتؔ کو
آج کل رابطے سے باہر ہے



جس قدر بھی دیے بناتا ہوں
کب وہ اپنے لیے بناتا ہوں

باقی خود آپ بنتا ہے سب کچھ
میں فقط حاشیے بناتا ہوں

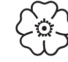
راستے آپ بننے لگتے ہیں
میں تو بس زاویے بناتا ہوں

صرف آنکھیں نہیں بناتا میں
اُن میں پھر رت جگے بناتا ہوں

لب کُشائی کا حوصلہ ہی نہیں
کاغذوں پر گِلے بناتا ہوں

کام پڑتا نہیں کسی سے بھی
بس یونہی رابطے بناتا ہوں

عشق کا یہ کمال ہے شوکتؔ
آپ جو سوچیے بناتا ہوں



جانے کیسا بہاؤ رہتا ہے
دل کے اندر کٹاؤ رہتا ہے

ذہن میں ہیں سرائیں کیا آباد
قافلوں کا پڑاؤ رہتا ہے

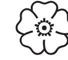
کوئی اَن دیکھا ہاتھ ہے جس کا
میرے دل پر دباؤ رہتا ہے

رونقیں اِس کی ماند پڑتی نہیں
زیست کا چل چلاؤ رہتا ہے

بات کا زخم بھرنے والا نہیں
عمر بھر اس کا گھاؤ رہتا ہے

سارا چکر ہے منفی مثبت کا
پیار میں بھی تناؤ رہتا ہے

بازی ہاری نہیں ابھی شوکتؔ
آخری اپنا داؤ رہتا ہے



اُس کے پاؤں چھونے کو وادیاں ترستی ہیں
اُس کے ساتھ اڑنے کو تتلیاں ترستی ہیں

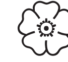
مدتیں سمندر میں ان کو ہوگئیں ہیں اب
ساحلوں پر آنے کو کشتیاں ترستی ہیں

ایسی بستیاں بھی ہیں ایسے گھر بھی ہیں جن میں
صرف ایک گڑیا کو بچیاں ترستی ہیں

جانے کن دریچوں کے ہوں گی چارسُو بیلیں
اپنے تو مکانوں کی کھڑکیاں ترستی ہیں

گنگناتے چہروں کو چھنچھناتے پیروں کو
کب سے اپنے کالج کی سیڑھیاں ترستی ہیں

گھر سے جب گئے تو پھر لوٹ کر نہیں آئے
اپنے بیٹوں کی خاطر بوڑھیاں ترستی ہیں



اس لیے ہوگیا دوانہ دل
دل ہمارا تھا شاعرانہ دل

کیا سے کیا خواب ہوگئی آنکھیں
کیا سے کیا ہوگیا فسانہ دل

بے تحاشا کسی پہ پیار آئے
میرے اندر ہے جارحانہ دل

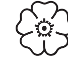
اس لیے ایک جا نہیں رہتا
سینے میں ہے مسافرانہ دل



اس کی بنتی نہیں کسی کے ساتھ
جس میں ہوتا ہے باغیانہ دل

آنکھ تو بس طواف کرتی ہے
ہے محبت کا شاخسانہ دل

کوئی بھی دل ہو دیکھ لو شوکتؔ
حسرتوں کا ہے کارخانہ دل



سمندر کا سفر ہے اور ستارا بھی نہیں کوئی
پریشانی ہے وہ جس کا کنارا بھی نہیں کوئی

وہی ہے اسم میرے ہونٹوں پہ جو پہلے ہوتا تھا
مگر اس بار تو غیبی اشارا بھی نہیں کوئی

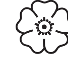
یونہی گمنام اپنے شہر میں ہم دار تک پہنچے
کسی نے سنگ ہو یا پھول مارا بھی نہیں کوئی

بہت محتاط روز و شب گزارے اس لیے شاید
منافع بھی نہیں کوئی خسارا بھی نہیں کوئی

کوئی انکار کرتا ہی نہیں ہے پیار ایسا ہے
کسی دل پر مگر اپنا اجارہ بھی نہیں کوئی

چلو اس بات پر ہم ایک دوجے کے ہی بن جائیں
ہمارا بھی نہیں کوئی تمہارا بھی نہیں کوئی

برابر ہو گیا ہے کھیل شوکتؔ اب محبت میں
کہ جیتا بھی نہیں کوئی کہ ہارا بھی نہیں کوئی



آپ سے باخدا محبت ہے
اور بے ساختہ محبت ہے

اب مجھے دیکھنا سکھا دیجے
اب مرا آئنہ محبت ہے

میرا پہلا سخن تمہارا نام
میری پہلی دعا محبت ہے

یہاں ہر اک گلی میں یادیں ہیں
یہاں ہر راستہ محبت ہے

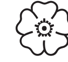


تتلیوں کو بلا کے لے آؤ
پھول کا مسئلہ محبت ہے

کوئی تہمت نہ داغِ رسوائی
یہ محبت بھی کیا محبت ہے

سب سے اپنا جدا قبیلہ ہے
سب سے اپنی جدا محبت ہے

خاک کی ابتدا نہیں معلوم
خاک کی انتہا محبت ہے



قدیم جتنی ہے اتنی نئی محبت ہے
ہر ایک لمحہ چمکتی مری محبت ہے

تمہارے ساتھ محبت ہوئی تھی پہلی مجھے
تمہارے ساتھ مری آخری محبت ہے

اسی میں سانس لیے جا رہی ہے اک دنیا
کہ ہر کسی کے لیے زندگی محبت ہے

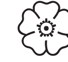
یہ کائنات اندھیرا مکان ہے شاید
کہ اس میں پھیلی ہوئی روشنی محبت ہے

اب اس سے بڑھ کے نہیں دوسری کوئی نعمت
وہ خوش نصیب ہے جس کو ملی محبت ہے

نصیحتیں کیے جاتے ہو حل بتاتے نہیں
میں کیا کروں مجھے اُس سے بڑی محبت ہے

کہ خاکسار میں ایسی تو کوئی بات نہیں
توجہ کی ہے تو یہ آپ کی محبت ہے

محبتیں مجھے ملتی ہیں اس لیے شاید
کہ افتخارؔ مری شاعری محبت ہے



تمہارے پاس آنا تھا سو دنیا چھوڑ آئے ہیں
جو تم سے دور جاتا ہے وہ رستہ چھوڑ آئے ہیں

جہاں پر ریت اور پیڑوں پہ اپنے نام لکھے تھے
وہ جنگل چھوڑ آئے ہیں وہ صحرا چھوڑ آئے ہیں

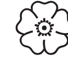
فقط اک پیڑ تھا گھر میں جسے اپنی ضرورت تھی
ہم اپنے چاہنے والے کو تنہا چھوڑ آئے ہیں

ہماری کشتیوں نے عمر بھر واپس نہ آنا تھا
جو ساحل پر کھڑے تھے ان کو روتا چھوڑ آئے ہیں

بہت مجبوری تھی اس کو وہاں پر چھوڑ آنے کی
اور اب لگتا ہے جیسے خود کو آدھا چھوڑ آئے ہیں

یہ جنگل خطرے سے خالی نہیں ہے شہر آنے تک
ہم اپنے دشمنوں کو اس میں زندہ چھوڑ آئے ہیں

جہاں یہ لوگ بیٹھیں گے اسے دہرائیں گے شوکتؔ
ہم اپنے شہر کی گلیوں میں قصہ چھوڑ آئے ہیں



نیند میں ماہتاب سا کچھ ہے
خواب میں اور خواب سا کچھ ہے

اس کی موجودگی ہے کمرے میں
آئنے میں گلاب سا کچھ ہے

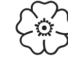
چکھ کے دیکھو یقیں نہ آئے تو
شہد میں بھی شراب سا کچھ ہے

یاد کرتا نہ بھول پاتا ہوں
اک مسلسل عذاب سا کچھ ہے



روز تازہ سبق سکھاتی ہے
زندگی میں کتاب سا کچھ ہے

ان اندھیروں میں جھانک کر دیکھو
افتخارؔ آفتاب سا کچھ ہے



رقص و نغمہ و جام ٹھیک نہیں
اس جگہ پر قیام ٹھیک نہیں

یہ وہ بازارِ دل نہیں شاید
یہاں اشکوں کے دام ٹھیک نہیں

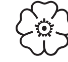
مفت میں غم کمانے پڑتے ہیں
اب محبت کا کام ٹھیک نہیں

اے خدا اب سمیٹ لے دنیا
اتنا بھی انتقام ٹھیک نہیں



آنسوؤں میں جلا رہے ہو چراغ
اس قدر اہتمام ٹھیک نہیں

زندگی کے ہر ایک دفتر میں
افتخارؔ انتظام ٹھیک نہیں



ایک راجہ ہے ایک رانی ہے
وہی قصہ وہی کہانی ہے

ویسے تو خاک زادے ہیں ہم بھی
پر طبیعت کچھ آسمانی ہے

اس جگہ پاؤں الٹے پڑتے ہیں
یہ محبت کی راجدھانی ہے

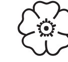
یہ جو آنسو نکل پڑے ہیں یونہی
میرے اندر کی ترجمانی ہے

موت بدنام ہے یونہی ورنہ
زندگی بھی تو ناگہانی ہے

اے دلا! اب تو جان چھوڑ مری
میں نے ہر بات تیری مانی ہے

کوئی لکھّت، معاہدہ نہ رسید
سب ہی کچھ پیار میں زبانی ہے

شاعری اپنی کچھ نہیں شوکتؔ
یار لوگوں سے چھیڑ خوانی ہے



ہم اگر آئنہ بناتے ہیں
اس کا بھی وہ برا مناتے ہیں

مجھ کو رکھا گیا ہے قید جہاں
دور تک کھیت لہلہاتے ہیں

کشتیاں پار لگتی ہیں اپنی
ہم محبت کے گیت گاتے ہیں

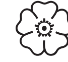
ان کو کیسے گنواؤں ہاتھوں سے
وہ جو مشکل سے ہاتھ آتے ہیں



گھٹتی جاتی ہے عمرِ لاحاصل
خواب ہیں اور بڑھتے جاتے ہیں

نیکی کرتے ہیں یار لوگوں سے
باتیں سنتے ہیں، دُکھ کماتے ہیں

کیسے ہم افتخارؔ گھر پہنچیں
خواب میں راہ بھول جاتے ہیں



یہ جو اس کی گلی سی لگتی ہے
ہر قدم شاعری سی لگتی ہے

اس لیے اس کے پاس آتا ہوں
وہ مجھے زندگی سی لگتی ہے

گرچہ کوئی کمی نہیں لیکن
پھر بھی کوئی کمی سی لگتی ہے

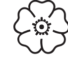
ہو نہ ہو اس کا نقشِ پا ہوگا
یہ جو کچھ روشنی سی لگتی ہے



اس سے ملنے کے بعد جانے کیوں
ساری دنیا نئی سی لگتی ہے

ہر ورق پر لکھا ہے نام اس کا
زندگی ڈائری سی لگتی ہے

اُڑتے دیکھا نہیں اسے شوکتؔ
پھر بھی کوئی پری سی لگتی ہے



آنکھوں میں زخم تازہ بھی ہے نیر کے سوا
کچھ دن سے کچھ پڑھا ہی نہیں میر کے سوا

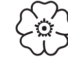
میں کب کا بھاگ جاتا تری قید سے مگر
کچھ اور بھی ہے پاؤں میں زنجیر کے سوا

کاغذ کو تم نے غور سے دیکھا نہیں کبھی
کچھ نقش اور ہوتے ہیں تحریر کے سوا

اتنے زیادہ زخم نہیں لگنے تھے ہمیں
پھینکے گئے ہیں پھول کئی تیر کے سوا

ہم نے گزر کے دیکھا ہے دل کی گلی سے بھی
رستے میں کوئی آیا نہ دلگیر کے سوا

ہم افتخارؔ جس کو کہیں شانِ عشق کی
پنجاب میں نہیں ہے کوئی ہیر کے سوا



جیسے دریا اور کنارا ساتھ ہے
اس طرح سے ہی ہمارا ساتھ ہے

ہو گئے ہو جب سے پھر تم مہرباں
ہر خفا منظر دوبارہ ساتھ ہے

ہاتھ کیا آیا تمہارا ہاتھ میں
یہ جہاں سارے کا سارا ساتھ ہے

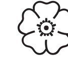
شام کا یہ صبح کا ہو اس سے کیا
اتنا کافی ہے کہ تارا ساتھ ہے

جس سے بچھڑا اور جس جس سے ملا
زندگی کا ہر نظارہ ساتھ ہے

وہ سفر میرے لیے ہے معتبر
جس سفر میں بھی تمہارا ساتھ ہے

زندگی ہوتی نہیں ہے یک رُخی
فائدے میں تو خسارا ساتھ ہے

اس لیے رہتا ہوں تنہا افتخارؔ
ساتھ اپنا، سب سے پیارا ساتھ ہے



اب یہی اک کمال باقی ہے
میرے لب پر سوال باقی ہے

تتلی کمرے میں آئی تو جانا
اس جہاں میں جمال باقی ہے

جس کو بچپن میں دیکھتے تھے ہم
حُسن وہ خال خال باقی ہے

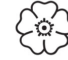
مجھ کو خطرہ بھی اپنے آپ سے ہے
اور اپنی ہی ڈھال باقی ہے



خواب تو سارے بک چکے کب کے
صرف اشکوں کا مال باقی ہے

برف باری میں میرے کندھوں پر
اس کے ہاتھوں کی شال باقی ہے

دل غنیمت ہے افتخارؔ اس کا
کوئی تو خوش خصال باقی ہے



عشق کو اپنا دین کرو
خوابوں کی تدفین کرو

ورنہ مارے جاؤ گے
اتنی مت توہین کرو

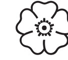
دل کو کیا سمجھاتے ہو
آنکھوں کو تلقین کرو

خاموشی بھی نغمہ ہے
اس کی بھی تحسین کرو



وہ اترے گی بگھی سے
ہاتھوں کو قالین کرو

وہ جو پیار میں کہتا ہے
شوکتؔ تم آمین کرو



ان کو میرے ساتھ ہی جلنا پڑا
بارشوں کو میں بہت مہنگا پڑا

تھا سفر میرا خود اپنے آپ میں
اس سفر میں بھی مجھے دریا پڑا

اس کی محفل میں ہوئے بے آبرو
اور دعا دے کے ہمیں اٹھنا پڑا

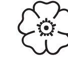
یوں لگا جیسے کسی نے دی صدا
ہر قدم پر ہی مجھے رکنا پڑا



میں کسی کی آنکھ سے سرسبز تھا
میں کسی کی بات سے پیلا پڑا

جسم پر میرے دراڑیں پڑ گئیں
غصہ مجھ کو روز ہی پینا پڑا

جسم شوکتؔ اس کا اتنا پاک تھا
اپنے اشکوں سے اُسے چھونا پڑا



دل کو ہر ایک گام پہ دھڑکا لگا رہا
تا عمر پیچھے جس طرح سایا لگا رہا

پاؤں لگے ہوئے تھے کسی راستے کے ساتھ
پاؤں کے ساتھ یا کوئی رستہ لگا رہا

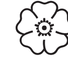
جیسے مرے وجود سے چلتی ہے کائنات
مجھ کو تمام عمر ہی دھوکا لگا رہا

میں لڑکھڑا کے گرتا رہا بن پیئے یونہی
مجھ کو کسی کی آنکھ کا نشہ لگا رہا

فرصت نہیں تھی لوگوں کو رقص و سرود سے
میں شہر کو بچانے میں تنہا لگا رہا

کمروں میں لوگ پیاس سے چپ چاپ مر گئے
دیوار و در کے ساتھ ہی دریا لگا رہا

شوکتؔ میں اُس کے ساتھ بھی تھا اپنے ساتھ بھی
تا عمر یہ عجیب تماشا لگا رہا



میری تلاش میں اُسے آنا تو ہے نہیں
آنسو ہیں مجھ میں کوئی خزانہ تو ہے نہیں

دریا ہو سامنے کہ سمندر ہو سامنے
اس بار ہم نے خود کو بچانا تو ہے نہیں

دشمن ہو یا کہ دوست برابر ہے راہ میں
یہ قابل بھروسہ زمانہ تو ہے نہیں

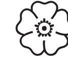
رکھا جہاں بھی سر وہاں پتھر ملا ہمیں
یہ زندگی ہے آپ کا شانہ تو ہے نہیں

اس کی نمود ہوگی تمہارے وجود میں
یہ دل کہیں پہ اور لگانا تو ہے نہیں

مشکل میں اپنا آپ ہی بن جاؤں دوست میں
مجھ کو کسی نے دوست بنانا تو ہے نہیں

کوئی ضرور آئے گا ان کو خریدنے
میرا کوئی بھی خواب پرانا تو ہے نہیں

دینے پڑیں گے اُس کو دل و جان افتخارؔ
اس بار میرے پاس بہانہ تو ہے نہیں



نیم شب جب وہ کمرے میں آئے
چاند اُس کے دریچے میں آئے

وہ کسی اور کا مقدر تھا
ہم کسی اور کے حصے میں آئے

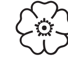
پیار مجھ سے شدید ہے شاید
جب بھی آئے وہ غصے میں آئے

ہم چکا دیں گے سب حساب کتاب
گر کسی روز نشے میں آئے

جب کلائی میں اُس نے پہنا تو
رنگ کچھ اور گجرے میں آئے

اُس کو پوری غزل بنا دوں میں
صرف اک بار مصرعے میں آئے

وہ کبھی آئے پھول میں شوکتؔ
اور کسی وقت جھونکے میں آئے



چاند آدھا رہ گیا تھا رات آدھی رہ گئی
بیٹھے بیٹھے کھو گئے ہم بات آدھی رہ گئی

وہ جدھر اُٹھ کر گیا یہ اُس ہی رُخ پر چل پڑے
چند پل میں تاروں کی بارات آدھی رہ گئی

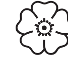
بے سبب مصروفیت نے اس طرح کھایا مجھے
ایسے لگتا ہے کہ میری ذات آدھی رہ گئی

بات وہ کرتا نہیں تو ایسے لگتا ہے مجھے
ہر خوشی جس طرح میرے ساتھ آدھی رہ گئی

وقت کی آندھی اُڑا کر لے گئی کیا کیا نقوش
زندگی کی تتلی میرے ہاتھ آدھی رہ گئی

ٹھیک سے اُس نے مری جانب کبھی دیکھا نہیں
میری تو ہر بار ہی خیرات آدھی رہ گئی

صلح کر لی ہم نے اک اور ڈر سے افتخارؔ
جیت آدھی رہ گئی اور مات آدھی رہ گئی



چاند سے دور چاندنی سے دور
حسن سے دور روشنی سے دور

کس کے پہلو سے اُٹھ کے آئے ہیں
ہوگئے ہم تو زندگی سے دور

جانے کس کی گلی سے آئے ہیں
ہو گئے ہم تو ہر گلی سے دور

وہ شگفتہ مزاج روٹھ گیا
کچھ دنوں سے ہیں تازگی سے دور

ہائے اس کی وہ غم زدہ آنکھیں
جو ہمیشہ رہیں خوشی سے دور

یہی دل سے دعا نکلتی ہے
کبھی کوئی نہ ہو کسی سے اور

ہم سے شوکتؔ رہا نہیں جاتا
خواب سے دور شاعری سے دور